تعارف

طب العرب

حکیم سید نیر واسطی صاحب نے مشہور مستشرق ایڈورڈ جی۔ براؤن کے 'طب العرب' پر چار لیکچروں کا اردو ترجمہ کرکے اور ان پر اپنی طرف سے مفصل تشریحات وتنقیدات کا اضافہ فرما کر واقعہ یہ ہے کہ اسلامی علمی وفنی ورثے کے ایک اہم حصے کو ہماری موجودہ نسل کے لیے قابل فہم بنا دیا ہے۔ اور یہ حکیم صاحب محترم کی بہت بڑی علمی خدمت ہے۔ پروفیسر براؤن کے یہ لیکچر مسلمانوں کی طب کے متعلق بڑی وسیع معلومات کے حامل تو تھے ہی لیکن مترجم نے ان پر تشریحات وتنقیدات کا جو اضافہ کیا ہے، اس سے ان لیکچروں میں بعض جو تاریخی غلطیاں تھیں، نہ صرف ان کی اصلاح ہوگئی ہے، بلکہ ان سے متعلق معلومات میں بہت سارا اضافہ بھی ہوگیا ہے۔ چنانچہ جہاں اصل لیکچروں کے ترجمے کا حجم ۱۵۰ صفحے ہے، وہاں حکیم صاحب کی فراہم کردہ تشریحات وتنقیدات کا سلسلہ صفحہ ۱۵۶ سے شروع ہوکر ۴۲۸ تک چلا گیا ہے۔ پروفیسر براؤن نے یہ لیکچر ۱۹۲۱ء میں دیے تھے۔ ظاہر ہے اس کے بعد اب تک ان لیکچروں میں جن امور کا ذکر ہے، ان پر بہت تحقیقی کام ہوا ہے، اب حکیم سید نیر واسطی صاحب نے اس سب سے استفادہ کرکے لیکچروں کے مشتملات کو علمی لحاظ سے مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اپنے پہلے لیکچر میں پروفیسر براؤن نے سرسری طور پر اس طب کا ذکر کیا ہے، جو عربوں کے ہاں اسلام سے قبل رائج تھی، پھر اس عہد کے ان بیرونِ عرب علمی مراکز کی نشان دہی کی ہے جہاں سے اسلام سے پہلے اور اس کے بعد مسلمانوں میں علم طب کے سرچشمے پھوٹے۔

فاضل مصنف کے نزدیک اس طب کو مسلمانوں کی طب کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی ترقی میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ غیر مسلم طبیب پیش پیش تھے۔ وہ اسے طبِ عرب کہتا ہے، اور یہ اس لیے کہ اسے عربی زبان میں پیش کیا گیا۔ پروفیسر براؤن کی یہ بھی رائے ہے کہ "اس طب کا بیشتر حصہ یونانی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس میں ہندوستان، ایران اور شام کے علمانے اضافے کیے ہیں۔ اور عربی ذہانت کی پیدا کردہ چیزیں کم ہیں۔"

مصنف نے اس طب کے تاریخی ارتقا کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: یونانی کتابیں براہِ راست

یا سریانی زبان کے تراجم سے عربی میں منتقل کی گئی ہیں۔ اور یہ عظیم الشان علمی خدمت بغداد میں خلفائے بنی عباس کی زیر سرپرستی (آٹھویں صدی اور نویں صدی عیسوی کے درمیان) اس عہد کے علمانے انجام دی۔ تمام مترجمین عرب اور مسلمان نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت سریانی، عبرانی، اور فارسی بولنے والوں پر مشتمل تھی اور یہ لوگ مجوسی اور یہودی مذہب کے پیرو تھے۔

انسانی تاریخ میں اس طب کے ارتقا نے کیا کردار انجام دیا، پروفیسر براؤن نے اس بارے میں کہا: یہ حقیقت دیر سے تسلیم کی جاچکی ہے کہ طب عرب اس وجہ سے ممتاز نہیں کہ یہ عربوں کی ایجاد و اختراع ہے، بلکہ اس کے امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ زوالِ یونان اور عروج مغرب کے درمیان حائل ہونے والے تاریک عہد میں عربوں نے علم و حکمت کی روایات کو برقرار رکھا، اور بعد میں اہل مغرب نے فلسفہ اور سائنس کی اس گراں قدر پونجی سے فائدہ اٹھایا۔

اہل مغرب نے عربوں کی اس علمی گراں قدر پونجی سے کس طرح فائدہ اٹھایا مصنف نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا، مغرب کے فدایانِ علم و حکمت نے چار یا پانچ صدی کے بعد یونانی زبان کے ذخیرے سے صرف نظر کرتے ہوئے اس قدیم فن کو روز افزوں جوش کے ساتھ عربی زبان سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور طب کو عربی سے لاطینی میں منتقل کر دیا۔ اور فن طباعت کی پہلی صدی ہی میں فلسفہ، سائنس اور طب کی کتابوں کے لاطینی ترجمے بہ تعداد کثیر یورپ کے مطابع میں چھپ گئے۔

غرض اہل مغرب شروع میں تو یونانی طب سے عربی کتابوں ہی کے ذریعہ متعارف ہوئے۔ پھر بعد میں انھوں نے خود یونانی کتابوں سے براہِ راست استفادہ کیا۔ اور اس طرح ان کے ہاں وہ فکری بیداری پیدا ہوئی، جس سے وہ اسرار فطرت اور قوانین قدرت کو معلوم کر سکے۔ اور پروفیسر براؤن کے الفاظ میں "جس کے نتیجہ میں عربی کا اقتدار اور امتیاز کم ہو گیا۔ اور ابتدا میں اس کی طرف جس قدر میلان تھا، اسی قدر بے توجہی ہو گئی۔"

مترجم حکیم نیر واسطی صاحب نے پروفیسر براؤن کی اس رائے کو یکسر غیر صحیح بتایا ہے کہ عربی طب بیشتر یونانی طب سے ماخوذ ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں: عربی طب یونانی طب کا نام نہیں بلکہ یہ صحیح معنوں میں عربی طب ہے، جو عربوں نے فارس، ہند، روم، یونان اور کلدان کی قدیم طبوں سے

کے امتزاج اور ترجمہ و شرح، کامل نقد و جرح، اجتہادات و تجربات، اضافات اور تنقیح و تہذیب کے بعد مدون کی۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں حکیم صاحب نے متعدد حوالے دیے ہیں۔ ایک حوالہ مشہور عیسائی مصنف جرجی زیدان کا یہ ہے: "جب آپ کتاب القانون (ابن سینا کی تصنیف) کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کتاب طب اور علم الصیدلہ کی ایک قاموس ہے۔ اور اس میں امراض، معالجات اور عقاقیر کے متعلق یونان، کلدان، ہند، فارس اور عرب کی تمام معلومات جمع ہیں۔ اور یہ صرف یونان کی طب نہیں ہے، جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔"

پروفیسر براؤن کے اس قول پر بھی کہ عربی میں مختلف علوم و فنون کے متعلق جو عظیم لٹریچر مدون ہوا، وہ بیشتر ایرانیوں، شامیوں، اور یہودیوں اور کچھ یونانیوں نے پیدا کیا تھا، عربوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا ہے، حکیم صاحب موصوف نے گرفت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: جزیرۃ العرب کے باشندے صدیوں سے اپنی ایک مستقل طب کے وارث تھے، جو ان میں علم العقاقیر والحشائش کی صورت میں رائج تھی۔ اسی سلسلے میں وہ "خاکدان عرب" سے اٹھنے والے ایک ایسے فرد کامل کا ذکر کرتے ہیں، جن کی تصانیف کی عظمت نے طب عربی کو چار چاند لگا دیے۔ یہ تھے ابوالحزم القرشی المعروف بہ ابن النفیس (۱۲۱۰ء — ۱۲۸۸ء)۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ اس نامور طبیب کی خود اس برعظیم میں شہرت و اہمیت کا یہ عالم ہے کہ ہر طالب علم سب سے پہلے اس کی کتاب موجز القانون کو پڑھتا ہے اور اس کے بعد اس کی شرح نفیسی کو۔ اردو میں افادۂ کبیر اور مختصر الکلیات کے ناموں سے اس کے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں، اور وہ بھی داخل نصاب ہیں۔

فاضل مترجم ۱۹۶۰ء میں حجاز گئے تھے۔ آپ نے وہاں کے مشہور قدیم کتب خانوں میں پرانی طبی کتابوں کی تلاش کی۔ چنانچہ آپ نے ان کتب خانوں میں طب کے جو نادر مسودے دیکھے، اسی ضمن میں انھوں نے ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اور اس سلسلے کی ایک بڑی اہم تالیف جناب علی بن موسیٰ الرضا کا الرسالۃ الذہبیۃ ہے، جو آپ نے علم الاشربہ والاغذیہ پر لکھ کر مامون الرشید کو بھیجا تھا۔ یہ رسالہ یہاں (کتب خانہ حرم کعبۃ اللہ میں) متعدد نادر رسائل کے ساتھ مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔

مصنف نے عربوں کی قدح و تنقیص میں ابن خلدون کی رائے نقل کی ہے۔ مترجم نے اس کی تردید کرتے ہوئے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگر ایک جگہ ابن خلدون نے عربوں کی مذمت کی

ہے تو دوسری جگہ اس کے ہاں عربوں کی تعریف و تحسین بھی ملتی ہے۔ موصوف کے نزدیک " اس کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابن خلدون نے ۸۰۸ھ میں ایک ایسے دور میں آنکھیں کھولیں، جب عرب حکومتیں کلیتہً تباہ ہو چکی تھیں۔ ملک فتنہ و فساد سے بھر چکا تھا اور بہت سے آثار و مبانی برباد کیے جا چکے تھے۔ اس لیے اس کے دماغ پر عربوں کی تازہ اور ہولناک تباہی کی تصویر منقش تھی۔"

اس طویل بحث کے بعد مترجم آخر میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں: ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہے کہ عربوں کے نظام حکومت اور تمدن کے متعلق پروفیسر براؤن کا طرز استدلال و تنقید یکسر غیر صحیح ہے۔

پروفیسر براؤن نے حضرت امیر معاویہ کے پوتے خالد بن یزید کی علم کیمیا سے دلچسپی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں اس کے ساتھی مشہور ماہر کیمیا جابر بن حیان کے بارے میں یہ کہا ہے: قرون وسطی میں اہل مغرب نے لاطینی زبان کی جو کتابیں جابر کی طرف منسوب کیں، ان میں سے اکثر یورپین محققین کی تصانیف ہیں، جنھوں نے اپنی کتابوں کو مقبول اور مستند بنانے کے لیے انھیں جابر بن حیان کے مشہور اور معروف نام سے منسوب کر دیا۔

فاضل مترجم نے اس دعوے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ واقعتاً جابر کی بہت سی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے جابر کے مفصل حالات بہم کر دیے ہیں اور لکھا ہے کہ تمام منصف مزاج مغربی مؤرخین کو اعتراف ہے کہ جابر بن حیان نے علم کیمیا کو سائنٹیفک طور پر مرتب کیا۔ حکیم صاحب نے جابر پر حال ہی میں شائع شدہ ایک فارسی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا موصوف نے مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔

عباسی خلیفہ موفق باللہ کے عہد میں ایک مشہور طبیب ثابت بن قرہ حرانی (۸۳۶ء-۹۰۱ء) تھا۔ پروفیسر براؤن نے اس کا ذکر طبی کتابوں کے ایک مترجم کی حیثیت سے کیا ہے۔ فاضل مترجم نے ثابت بن قرہ پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں ۱۹۲۸ء میں قاہرہ سے اس کی کتاب "الذخیرۃ فی الطب" جو شائع کی گئی تھی، اس کے ابتدائی آٹھ صفحات کے مقدمہ کا ترجمہ بھی درج کر دیا ہے۔ جس میں طب قدیم، طب مصری اور طب یونانی، دور حاضر میں طب جدید اور طب قدیم کے باہمی تعلق اور کتاب الذخیرہ اور ثابت بن قرہ پر انگریزی زبان میں بحث کی گئی ہے۔

حکیم واسطی صاحب نے تشریحات و تنقیدات کی ترتیب میں کس قدر محنت کی ہے، اس کا

اندازہ ان کے اس بیان سے لگایے کہ "عصر حاضر میں یونان میں قدیم طب یونانی کی صورت حال، تاریخ، تصانیف اور علوم کے مطالعہ کے لیے پچھلے دنوں میں نے یونان کے کئی سفر اختیار کیے اور متعدد اکابر علم وفن سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کیا۔ اس سلسلے میں پروفیسر طاطاقیس کا ایک مکتوب گرامی جو انھوں نے یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو میرے چند سوالات کے جوابات میں ارسال فرمایا، خصوصیت کے ساتھ مستحق مطالعہ ہے۔" اس کے بعد حکیم صاحب نے یونانی پروفیسر کے خط کا اقتباس دیا ہے۔

مصنف نے اپنے ایک لیکچر میں بتایا ہے کہ اطبا کا امتحان لینے کا دستور عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد (تقریباً ۹۳۱ء) میں شروع ہوا ہے۔ فاضل مترجم نے اس سے اتفاق نہیں کیا، اور لکھا ہے کہ یہ امتحان نہ تھا جس کا آغاز اس دور میں ہوا، بلکہ یہ اطبا کی رجسٹریشن کا نظام تھا۔ اس پر مترجم نے مفصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلے میں موصوف نے عبدالعزیز متطبب کی ایک کتاب کا جو ۶۸۸ھ سے قبل لکھی گئی تھی، اور جس کا نام "امتحان الالباء لکافۃ الاطبا" ہے، ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اطبا کی قابلیت کو جانچنے کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ اس کتاب کے متعلق فاضل مترجم نے یہ معلومات درج کی ہیں۔

یہ کتاب برعظیم پاک و ہند میں بھی متداول تھی۔ اور سلاطین مغلیہ نے اس کی جانب خاص اعتنا کیا۔ اس کے اصل مسودہ پر جس کا بعد میں اردو ترجمہ ہوا، اکبر اور شاہ جہاں کی مہریں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی تباہی میں یہ مسودہ حکیم محمد احسن اللہ کے کتب خانے میں آیا۔ پھر ان کے شاگرد حکیم بدر الدین نے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور ۱۹۰۰ء میں اسے دہلی سے شائع کرایا۔ مترجم لکھتے ہیں کہ ترجمہ کی تصحیح و نظر ثانی کے سلسلے میں حکیم محمد غیاث الدین خاں، مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا محمد عبدالحق مفسر تفسیر حقانی نے شرکت کی اور اس کی اشاعت کا قطعۂ تاریخ غالب کے شاگرد میر مہدی مجروح نے لکھا۔

مختصراً حکیم نیر واسطی صاحب نے اصل کتاب کے ترجمے کے علاوہ اس میں تشریحات و تنقیدات کا جو اضافہ کیا ہے، بلاشک وہ اسلامی طب کے متعلق معلومات کا ایک وسیع اور بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اور موصوف کی علم اور فن طب کی یہ بہت بڑی خدمت ہے۔

اسی سلسلے میں آخر میں ہم یہاں تیرھویں صدی عیسوی کی ایک جامع شخصیت کا، جس کا ذکر پروفیسر براؤن نے اپنے چوتھے لیکچر میں کیا ہے، تعارف کرا دیتے ہیں۔ یہ ایک مشہور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ عالم بھی تھے۔ مزید برآں وہ بائیس برس تک ایک مغل بادشاہ کے وزیر اعظم

بھی رہے ۔ یہ شخصیت حکیم رشید الدین فضل اللہ کی تھی۔ آپ ۱۲۴۷ء میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ شروع میں یہ مغل بادشاہ اباقاخاں ایلخاں کے درباری طبیب تھے۔ اس کے بعد جب اس کا جانشین غازان خاں اسلام لایا، تو وہ اس کے ۱۲۹۵ء میں وزیر اعظم بن گئے۔ انھوں نے بے شمار دولت اور طاقت حاصل کی جسے بڑی دریا دلی سے ہسپتالوں، مدارس، کتب خانوں، علما، طلبہ اور رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کیا۔

پروفیسر براؤن کو حکیم رشید الدین کے خطوط کا ایک قلمی نسخہ مل گیا تھا جن کے کچھ اقتباس اس نے اپنے لیکچر میں پڑھ کر سنائے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں طب کے اداروں کو کس خوش اسلوبی سے چلایا جاتا تھا۔

ایک خط میں تبریز کے ایک شفاخانے کے لیے ایک شخص کو مختلف انواع و اقسام کے روغن فراہم کرنے کا لکھا ہے۔ اس میں ہر ایک روغن کی مقدار درج ہے، اور جہاں سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کا پتہ دیا گیا ہے۔ اور تاکید کی ہے کہ اس میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

ایک خط یوں ہے: یہ خط رشید طبیب کی جانب سے اس کے فرزند جلال الدین حاکم ایشیائے کوچک کے نام لکھا گیا ہے۔ اس میں رشید نے اپنے فرزند سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ہر سال تبریز کے ہسپتال کے لیے غاریقون، بادیان، مصطگی، اسطوخودوس، افتیموں اور کمیلہ چھ دوائیں روانہ کرے۔ اور ہر دوا پچاس من سے سو من تک بھیجا کرے۔

ایک خط میں رشید شربت کی ان ایک ہزار صراحیوں کی جانب خاص اشارہ کرتا ہے جو پوری صنعت گری سے بنائی گئی تھیں۔ اور ان میں ہر صراحی پر اس شربت کا نام ثبت تھا، جس کے لیے وہ بنائی گئی تھی ۔ پھر وہ ان چینی ڈبوں کا بھی ذکر کرتا ہے، جو معجونوں اور لعوقوں کے لیے مستعمل تھے۔

پروفیسر براؤن حکیم رشید الدین فضل اللہ کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ خط علم طب سے متعلق نہیں، مگر اس حیثیت سے دلچسپ ہے کہ یہ خط ہم کو اسلامی دنیا کے اتفاق و اتحاد اور اس حیرت انگیز سرعت و عجلت کی شان دکھاتا ہے، جس کے ساتھ اسلامی علوم و افکار تمام دنیائے اسلام حتیٰ کہ بعید ترین مقامات میں بھی پہنچ گئے۔ نیز یہ خط ہمیں بتاتا ہے کہ علوم و فنون کی لامحدود تحریک ایک مخلص اور فیاض علمی سرپرست کے ذریعہ ان ممالک میں بھی جو سیاسی طور پر اس کے ساتھ متعلق نہیں،

پھیل سکتی ہے۔

پروفیسر براؤن کے عربی یا اسلامی طب پر چار لیکچروں کا اردو ترجمہ جو پاکستان کے مشہور طبیب اور عالم و محقق جناب حکیم سید نیر واسطی نے کیا ہے، اور اس پر انھوں نے نہایت عالمانہ اور محققانہ نوٹ لکھے، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور نے طب العرب کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے، اس میں پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

پروفیسر براؤن نے چوتھے لیکچر میں دسویں صدی عیسوی کے قرطبہ کے عربی النسل ایک سب سے بڑے جراح (سرجن) ابوالقاسم الزہراوی کا ذکر کیا ہے، جس کا قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں بڑا چرچا رہا۔ پروفیسر براؤن نے اس مشہور سرجن کا صرف اتنا ذکر کیا ہے۔ جناب حکیم نیّر واسطی نے تشریحات و تنقیدات میں الزہراوی پر کوئی بیس صفحے لکھے ہیں۔ موصوف نے سب سے پہلے اس دور کے قرطبہ کی علمی زندگی کی تصویر پیش کی ہے۔ اور ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل مصنف 'عربین میڈیسن' کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس زمانے میں قرطبہ مرکزِ مذہب، مادرِ فلاسفہ اور روشنیٔ اندلس کے القاب سے مشہور تھا۔ اس کی آبادی دس لاکھ تھی اور اس میں پچاس شفاخانے تھے۔

الزہراوی کی ایک ضخیم تصنیف کا ایک حصہ کتاب الجراحت کے نام سے مشرق و مغرب دونوں جگہ بڑا مقبول ہوا۔ یہ کتاب خوبصورت تصاویر سے مزین ہے۔ یہ مصور حصہ یورپ میں متعدد مرتبہ انگریزی، لاطینی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوچکا ہے۔ یورپ کے اہلِ علم نے الزہراوی کو جو خراجِ تحسین پیش کیے، فاضل مترجم نے ان کا بھی خلاصہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعدد مستشرقین اور طبی مصنفین کے نام گنا کر بتایا ہے کہ وہ الزہراوی کے کمالِ علم جراحت کے کس قدر مداح ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر کیمبل مذکور لکھتے ہیں کہ یورپ کے بے شمار سرجنوں نے اس تالیف سے اپنے فن میں مدد لی۔ اور یہ کتاب مدتوں مغرب کی یونیورسٹی میں شاملِ نصاب رہی۔